تعزیر و قصاص میں قرائن سے اثبات جرم کا تجزیاتی مطالعہ

An Analytical Study of Proof of Crime in Ta'zīr and Qiṣāṣ

Hafiz Muhammad Imran
M Phil Scholar, NCBA & E, Lahore:imranbinyaseen786@gmail.com
Muhammad Arshad
M Phil, Islamic Studies Department, Lahore Garrison University, Lahore:
arainarshad222@gmail.com

Abstract

In the realm of justice, testimony does not have to be true. Perjury often distorts the facts, making a fair verdict unattainable. For example, four men gave false testimony against a woman, accusing her of adultery, but her virginity saved her from punishment and she was found innocent. Some of the elder jurists have allowed the use of indications and signs (circumstantial evidence) to make judgments about sentences and interpretations. Imām Abu Hanīfa, a prominent scholar, states that in the case of uncertainty, retribution is made in the case of intentional harm, while compensation is given in the case of unintentional harm. However, the tort of intentional harm is not enforceable or compensatory based on oath alone. Instead, the offender is held in custody until he pleads or takes an oath of guilt or innocence. This understanding of the gesture in differentiating between intentional and unintentional actions is the basis of Imām Abu Hanifa's rulings. The Qur'ān serves as an important resource for making decisions in legal cases, aiding in the assessment and evaluation of evidence. Indicia are used within the judicial system to strengthen sources of evidence. They play an important role in evaluating the validity of the evidence through the Qur'ānic lens.

Keywords: Monetary Insentives, judicial Decision, Valid Evidence

معاملات ومقدمات میں عدل کے مطابق فیصلہ کرنے کے لیے قاضی کو وسائل اثبات کا سہارا لیناپڑتا ہے۔ شہادت (Evidence) اقرار لعان قسم لوگوں کے باہمی تنازعات میں تصفیے کے لیے اہم کردار ادا کرتے ہیں۔انسانی فطرت شواہد وآثار کے ذریعے حدود وقیود کو تعین کرتی ہے۔ معاشرتی زندگی میں بھی انسان طبائع میں تنوع کے سبب اور خواہشات ومعمولات میں پسند وناپسند کے تحت مسائل ومشکلات کا شکار ہوتا ہے۔ان مسائل ومشکلات کے تناظر میں پیش آنے والے حادثات وعوامل کا حل اگر وسائل اثبات میں نمایاں نہ ہو تو قرابین کے ذریعے حالات وواقعات کی حقیقت تک رسائی حاصل کی جاتی ہے اور ایسے نتائج حاصل کئے جاتے ہیں جو حق کی راہ متعین کرتے ہوں۔ تعزیر وقصاص میں معاشرتی دباؤ،روپے کا لالچ،اقربا پروری یاسیاسی اپروچ اور عزت وغیرت کے مسائل ایسے عوامل ہیں جو عدالتوں میں ہونے والے فیصلوں پر اثرانداز ہوتے ہیں۔قرائن چونکہ ان قباحتوں اور معاشرتی آلائشوں سے مبرا ہوتے ہیں اس لیے جب ان میں قطعیت پائی جائے تو یہ گواہی اقرار اور قسم سے زیادہ قابل اعتبار اور قابل بھروسہ ہوتے ہیں۔ قرآئن کے اثبات یا علم میں آنے میں معاشرتی دباؤ،روپے کا لالچ،اقربا پروری یاسیاسی اثر ورسوخ اثرانداز نہیں ہوتے اسی بناء پر تعزیر وقصاص میں قرائن کے دائرہ کار پر بحث کی گئی ہے۔

قرائن قویہ کے ساتھ شراب نوشی کا ثبوت :

قراین قویہ کے ساتھ شراب نوشی کا ثبوت احناف کے نزدیک ثابت ہے جیسا کہ شراب کی بو کا پایا جانا۔ موسوعہ فقہ عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) نے شام میں قرآن مجید کی تلاوت کی۔ایک شخص نے اس میں غلطی نکالی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ میں نے یہ کلام نبی کریم ﷺ کے سامنے پڑھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر تعریف کی۔تم کیسے جھٹلاتے ہو۔ تو جب اس شخص کے قریب ہوئے تو اس کے منہ سے شراب کی بو محسوس کی۔ جس پر انہوں نے اس پر حد قائم کی۔ایک شخص اپنے بیہوش بھتیجے کو لایا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے اس کے منہ سے شراب کی بو محسوس کی اور اسے قید کرنے کا حکم دیا اور دوسرے دن اس کو بلا کر اس پر حد جاری کردی۔[1]

القضاء والاثبات فی الفقہ الاسلامی میں ہے:

[1] قلعہ جی، محمد رواس، الدکتور، موسوعہ فقہ عبداللہ بن مسعود (القاھرہ، مطبعۃ المدنی ۱۹۸۴ء)، ص ۱۰۸
Qala'h gī, Muḥammad Rawās, Dr, Mauso'a Fiqa Abdullah bin Mas'ood(Al Qāhira, Maṭba't ul Madnī 1984), P:108

"کل قرینه قاطعة شرعية لايجوز نقضها ويتعين الاخذ بها و الحكم بمقتضاها "[2]

" ہر شرعی قرینہ قاطعہ میں نقض جائز نہیں قرینہ کو اخذ کرنے کے لیے اور اس کے مقتضاء کے مطابق فیصلہ کرنے کے لیے اس کا تعین ضروری ہے۔"

حدود میں ضروری نہیں کہ شہادت صحیح ہو بلکہ جھوٹی شہادتیں ادا کر کے حقائق کو غلط رنگ دیا جاتا ہے جس کی بناء پر عدل نہیں ہو پاتا جیسے چار مردوں نے ایک عورت کے زنا کی گواہی دی جبکہ وہ باکرہ پائی گئی۔[3]

باکرہ ہونے کے قرینہ نے چار مردوں کی گواہی غلط ثابت کر دی۔ السرقة الموجوه القطع فى الفقه الاسلامی میں ہے: **"یری بعض الفقهاء جواز الحكم بالقرآئن والامارات في الحدود وغيرها اذا كانت ظاهرة الدلالة على الحق"**[4]

"بعض فقہاء کرام نے حدود اور تعزیر میں قرائن و امارات (نشانیوں) کے ذریعے فیصلہ کرنے کو جائز قرار دیا ہے جب ظاہر (قراین) حق پر دلالت کرتے ہوں"

الفقہ الاسلامی وادلتہ میں صراحت کی گئی ہے

"ويقضى بالنكول عند ابي حنيفة فى القصاص فى الاطراف حالة العمد و بالدية حالة الخطا و لا يقضى فيه عنده بالقصاص بالنفس لا بالدية لكن يجبس الجاني حتى يقر او يحلف"۔[5]

قسم اٹھانے سے باز رہنے والے کے بارے میں امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ حالت عمد میں قصاص اور حالت خطا میں دیت کا فیصلہ کیا جائے گا جبکہ قصاص بالنفس میں نہ قصاص کا فیصلہ ہو گا اور نہ دیت کا لیکن مجرم کو اس وقت تک قید میں رکھا جائے گا جب تک وہ اقرار نہیں کرتا یا قسم نہیں اٹھاتا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عمد اور خطا میں قسم سے دستبردار ہونے کو

---

[2] ابو العینین، عبد الفتاح محمد، القضا الاثبات فی الفقہ الاسلامی (مصر، الامانتہ ۱۹۸۳ء)، ص ۴۲۱

Abu al A'inain, Abdulfatāḥ Muḥammad, Al Qada al Ithbāt fī al Fiqh al Islāmī, (Miṣar, al Amanātah1983), P:421

[3] العوا، محمد سلیم، الدکتور، فی اصول النظام الجنائی الاسلامی، (القاھرہ، دار المعارف ۱۹۸۳)، ص ۳۱۵ ۴

Al A'wā, Muḥammad Saleem, Dr, fī Uṣool al Nizām al Janāī al Islāmī,(Al Qāhira, Dār ul Mu'ārif 1983), P:4315

[4] ابو العینین، عبد الفتاح محمد، السرقۃ الموجبۃ للہ المقطع فی الفقہ الاسلامی، (مصر الامانۃ ۱۹۸۳ء) ص ۴۵۳

Abu al A'inain, Abdulfatāḥ Muḥammad, Al Sirqat al Maujibat Lillah al Maqt'a fī al Fiqa al Islāmī, (Miṣar, al Amanātah1983), P:453

[5] الزحیلی، وھبۃ، الدکتور، الفقہ الاسلامی وادلتہ، (دار الفکر، دمشق ۱۹۸۴م)، ص ۳۹۲

Al Zoḥailī, Wahbat, Dr, Al Fiqh al Islāmī wa Adillatohu, (Dār ul Fikar, Dimashaq 1984),P:392

قرینہ سمجھ کر امام اعظم ابو حنیفہ عمد میں قصاص کا اور خطا میں دیت کا حکم دیتے ہیں۔ حدود میں قرآئن کے ذریعے مقدمات کا فیصلہ کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

التشریع الجنائی الاسلامی میں ہے:

القرينة معتبرة في الزناهي ظهور الحمل فی امراءة غير متزوجة ولا يعرف لها زوج ويلحق بغير المتزوجة من تزوجت لصبی لم يبلغ الحلم او بمجبوب و من تزوجت بالصبی فولدت لاقل ميستة اشهر والاصل فی اعتبار قرينة الحمل دليلا علی الزناقول اصحاب النبی صلی الله عليه وسلم و فعلهم فعمر رضی الله عنه يقول الرجم واجب علی كل من الزنا من الرجال والنساء اذا كان محصنا اذا اقامت بينه اوكان الحبل او الاعتراف وروی عن عثمان انه اتی بامراة ولدت لستة اشهر كاملة فرای عثمان عن ترجم فقال علی ليس لک عليها سبيل۔[6]

زنامیں قرینہ معتبر ہے:

غیر شادی شدہ عورت کا حمل ٹھہر جانا قرینہ ہے جس عورت کے خاوند کا پتہ نہیں ہے بغیر شادی کے یا جس کے صبی کے ساتھ شادی کی جس کا علم نہیں یا مجبوب کے ساتھ اور جس نے صبی کی شادی کی اور اس نے چھ ماہ سے کم میں بچہ جنا تو اس میں اصل کا اعتبار کرتے ہوئے حمل قرینہ کے ذریعے دلیل قائم کی جائے گی۔ صحابہ کرام کی یہی رائے ہے اور عمر نے اس پر عمل کیا ہے۔ مردوں اور عورتوں میں سے جو کوئی بھی زنا کرے اس پر رجم واجب ہے جب وہ محصن ہوں اور ان پر دلیل ثابت ہو جائے یا حمل ظاہر ہو جائے یا وہ اعتراف کر لے۔ حضرت عثمان سے روایت ہے کہ میرے پاس ایک عورت آئی۔ اس نے چھ ماہ میں بچہ جنا تھا تو عثمان نے کہا کہ اس کو رجم کیا جائے گا تو علی نے کہا کیا اس کے پاس اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ حدود و تعزیرات قصاص و دیت نکاح و طلاق اور مالی حقوق و معاملات میں گواہی کا قبول کرنا یا ادا کرنا قاضی کی صوابدید پر ہے۔ اس میں عورت اور مرد کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ عورت اگر اپنے بیان میں الجھے بغیر واضح گواہی ادا کرتی ہے تو یہ گواہی صرف اس بناء پر رد نہیں کی جاسکتی کہ اس کے ساتھ کوئی دوسری عورت یا مرد موجود نہیں۔ اب مرد کی گواہی میں اگر ابہام و اضطراب ہے تو اسے محض اس وجہ سے قبول نہیں کیا جائے گا کہ وہ مرد ہے عدالت اگر گواہوں کے بیانات اور دوسرے قرائن و حالات کی بناء پر مطمئن ہو جاتی ہے کہ مقدمہ ثابت

---

[6] عودہ، عبد القادر، التشریح الجنائی الاسلامی، (دار الفکر، دمشق بدون تاریخ الطبع) جلد ۲ ص ۴۴۰

A’oodha, Abd ul Qādir, Al Tashriḥ al Janāī al Islāmī, (Dār ul Fikar, Dimashaq, N Y), V:2, P:440

ہے تو وہ لا محالہ اسے ثابت قرار دے گی اور اگر عدالت مطمئن نہیں ہوتی تو بلاشک اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ دس مردوں کی گواہی بھی قبول کرنے سے انکار کر دے۔[7]

عدالتی نظام میں تمام وسائل اثبات میں قرائن کے ذریعے تقویت حاصل کی جاتی ہے۔ قرائن کسوٹی کا کام دیتے ہیں۔ قرآئن کے ذریعے وسائل اثبات کی جانچ پرکھ ہو جاتی ہے۔

امام محمد بن احمد بن ابی سہل ابو بکر السرخسی المبسوط میں بیان کرتے ہیں:

مدعا علیہ کا قسم سے انکار کرنا حد کو ثابت کرتا ہے یا نہیں۔ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے زنا اور شرب خمر کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ان میں اس کا اعتبار نہیں ہوگا کیونکہ دونوں اللہ کی خاص حدود ہیں تو وہاں یمین سے انکار متصور نہیں ہوگا کیونکہ قسم سے انکار اقرار کے قائم مقام ہے اور اللہ کی خاص حدود میں قائم مقام معتبر نہیں ہے[8]۔

البحر الرائق شرح کنز الدقائق میں بیان کیا گیا ہے۔ قسم اٹھانے والا حد کو ثابت کرنے کے لیے نہیں بلکہ حق کو ثابت کرنے کے لیے قسم اٹھاتا ہے جیسا کہ ایک شخص کا اپنی بیوی کو طلاق دے کر معلق کرنا یا شرب خمر پر معلق کرنا عورت نے اگر مطلق طلاق کا دعوی کیا تو شوہر کا انکار قسم کا موجب ہو گا اگر قسم سے دستبردار ہو گیا تو طلاق واقع ہو جائے گی لیکن اس پر حد جاری نہیں ہو گی۔ یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ طلاق وغیرہ کے معاملات میں قسم کا اعتبار کیا جاتا ہے۔[9]

بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع میں ہے: حد قذف میں قسم کے انکار کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ امام احمد اور امام مالک کا مسلک یہ ہے کہ قسم سے انکار پر حد قذف ثابت نہیں ہوتی کیونکہ اس میں شبہ ہے اور شبہ سے حد ثابت نہیں ہوتی اس لیے کہ یہ اللہ کا حق ہے۔ باقی حدود پر قیاس کرتے ہوئے ثابت نہیں ہو گا۔[10]

---

[7] جاوید احمد، میزان، لاہور ۱۹۸۵، ص ۱۷

Jāvaid Aḥmad, Mizān,(Lahore 1985),P:17

[8] السرخسی، محمد بن احمد بن ابی سہل ابو بکر، المبسوط، (مطبعۃ السعادۃ ۱۳۲۴ھ)، ج ۴، ص ۲۳

Al Sarkhasī, Muḥammad bin Aḥmad bin Abī Sahal Abu Bakar,Al Mabsooṭ,(Maṭba't al Sa'ādat 1324),V:4,P:23

[9] ابن نجیم، زید الدین الشھیر، البحر الرائق، (المکتبۃ الاجدیۃ کویہ بدون تاریخ الطبع) ص ۴۶

Ibn e Nujaim, Zaid ul Deen al Shahir, Al Baḥr al Rāiq,(al-Maktaba al-Ajdia, N Y),46

[10] الکاسانی، علاء الدین، ابو بکر بن مسعود، بدائع الصنائع، (القاھرہ ۱۳۲۸ھ) ج ۶ ص ۲۲۷

Al Kāsāni, A'lāuldeen, Abu Bakar bin Mas'ood, Bidā'a al ṣanā'a, (Al Qāhira 1328),V:6, P:227

امام ابو یوسف اور امام محمد اور امام شافعی قسم سے انکار کو معتبر قرار دیتے ہیں اور حد ثابت ہونے کی دلیل دیتے ہیں۔امام شافعی اور بعض حنفی فقہاء کے نزدیک اس میں بندے کا حق غالب ہے۔[11]

اس قسم سے انکار ان آئمہ کے نزدیک قرینہ ہے جو حد ثابت کرتا ہے۔ عبد القادر عودۃ التشریع الجنائی الاسلامی میں بیان کرتے ہیں۔ حد قذف میں امام شافعی کے نزدیک حد ثابت ہوتی ہے جب مقذوف کے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو وہ قاذف سے قسم لے لے۔ اگر قاذف انکار کرے تو اس کے حق میں قذف ثابت ہو جائے گا۔امام ابو حنیفہ کے بعض احباب قسم کا اعتبار کرتے ہیں اور قسم میں حق عبد کو غالب قرار دیتے ہیں۔ احناف کے نزدیک قسم ایسا قرینہ ہے جس سے حد قذف ثابت ہوتی ہے۔ قسم کا اعتبار کرنے والے ایک گروہ نے قسم کے انکار پر حد کو ثابت کیا اور دوسرے نے تعزیر کو جس نے قسم کے نہ ہونے کا اعتبار کیا ہے تو اس کو اللہ کا حق اعتبار کیا ہے۔ حقوق اللہ کو غالب سمجھا ہے تو اس نے اللہ کے باقی حقوق کے ساتھ ملا کر یہ کہا کہ قسم یا انکار قسم سے کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا۔امام احمد اپنے قدیم قول میں قذف میں انکار قسم کو قضاء کا قرینہ قرار دیتے ہیں [12]

فقہاء غیر مالی حقوق کے بارے میں مختلف الرائے ہیں۔ بعض فقہاء تمام حقوق کے بارے میں قرآئن پر عمل کرتے ہیں اور بعض دیگر حالات میں ان کو چھوڑ دیتے ہیں۔ قرآئن سے حدود کے اثبات کے بارے میں بعض حنیفہ، امامیہ جبکہ مالکیہ، حنابلہ کلی طور پر قائل ہیں۔ ان کے نزدیک جب ایک غیر شادی شدہ مقیم جو مسافر نہ ہو عورت حمل سے پائی جائے تو زنا کی حد کا اثبات ہو گیا جبکہ اس پر جبر کے نشانات نہ ہوں اس پر سند حضرت عمرؓ کا قول ہے جسے امام نسائی نے حضرت عبد اللہ بن عباس نے روایت کیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ سنن ابو داؤد میں ہے

"كان فيما انزل الله آية الرجم فقر اناها وعقلناها ووعيناها "[13]

[11] الشافعی، ابی عبد اللہ محمد بن ادریس، الام، (مطبعۃ دار الشعب ۱۳۸۸ھ)، ج ۷ ص ۴۴

Al Shāf'ī,Abī Abdullah Muḥammad bin Idrees, Al Alām,(Maṭba'a Dār ul Sha'b1388), V:7,P:44

[12] التشریح الجنائی الاسلامی، ج ۲ ص ۴۹۰

Al Tashrīḥ al Janāī al Islāmī,V:2, P:490

[13] السجستانی، ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث، سنن ابو داؤد، (دار الفکر بیروت بدون تاریخ الطبع) ج ۲ ص ۴۵۷

Al Sajastānī, Abu Dāwood, Sulemān bin al Ashath, Sunan abu Dāwood,(Dār ul Fikar Beriut, N Y), V:2, P:457

قرآن حکیم میں اللہ تعالی نے آیت رجم نازل کی ہے پس ہم اسے پڑھتے (عمل) کرتے ہیں اس سے عقل حاصل اور (دیت ادا کرتے) ہیں اور اس کو قبول کرتے ہیں رسول اللہ نے رجم کیا اور ہم نے بھی رجم کیا پس خوف پیدا ہوا کہ لوگوں پر زمانہ گزرنے سے یہ نہ ہو جائے کہ کہنے والا کہے کہ خدا کی قسم ہم کتاب اللہ میں رجم نہیں پاتے اور اللہ کے اتارے ہوئے فریضے کو ترک کرنے سے وہ گمراہی میں جاپڑے۔ رجم کتاب اللہ میں حق ہے شادی شدہ زانی پر مردوں اور عورتوں میں سے جب بینہ قائم ہو جائے یا حمل ہو جائے یا اقرار ہو جائے۔

"عن عبد الله بن عباس قال سمعت عمر بن الخطابة ليقول الرجم في كتاب الله حق على من زنى من الرجال والنساء اذا احصن اذا قامت البيئة اوكان الحبل اولاعتراف[14]"

"عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے کہا کہ میں نے عمر بن خطاب سے سنا کہ رجم کتاب اللہ میں حق ہے۔ اس پر جو مردوں اور عورتوں میں سے زنا کرے شادی شدہ ہوں جب ان پر دلیل ثابت ہو جائے یا حمل یا اعتراف (اقرار) سے۔" سنن ابوداؤد میں بیان کیا گیا ہے: اس بارے میں اس حدیث سے بھی استدلال کیا گیا ہے کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کے زمانے میں نماز کے ارادے سے باہر نکلی اسے ایک آدمی ملا اور اس پر غلبہ پالیا اور اپنی حاجت پوری کی۔ اس نے چیخ ماری وہ بھاگ نکلا تو اس کے پاس ایک اور آدمی آیا اس نے بتایا کہ اس کے ساتھ یہ فعل ہو گیا ہے۔ مہاجرین صحابہ کی ایک جماعت اسے پکڑ لائی۔ اس عورت نے کہا کہ ہاں یہ وہی ہے تو لوگ اسے نبی کریم کے دربار میں لائے۔ اس کو رجم کیا گیا۔ (یہ حدیث صحاح ستہ میں موجود ہے)

امام ابن قیم اعلام الموقعین میں استدلال کرتے ہیں:

" فهذا دليل على اعتبار القرآئن والاخذ بشواهد الاحوال في التهم وهو ما عليه فقها المدينة "[15]

محترم شہروں کے رہنے والے محکم فقہاء نے قرآئن پر شرعی حدود میں اعتبار کیا ہے"

قتل میں قرائن کا اعتبار:

---

[14] مالک بن انس، امام الموطأ، (دار الحیاء التراث العربی بیروت ۱۳۰۹) ص ۵۹۸

Mālik bin Anas, Imām al Mooṭa, (Dār al Iḥyā al Turāth al A'rbī, Beirūt 1309),P:598

[15] السجستانی، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، ج ۲ ص ۴۵۷

Al Sajastānī, Sulemān bin al Ashath, Sunan abu Dāwood,V:2,P:457

قتل کے مقدمات میں بھی قرآئن سے مدد لی جاتی ہے بلکہ اکثر واقعات میں قتل کی تمام تفتیش قرائن کے)سہارے ہی آگے بڑھتی ہے اور قرآئن کی کڑیوں کو ملاتے ہوئے اندھے قتل(Blind Murder)کی گتھی سلجھائی جاتی ہے۔اب تھانوں میں جدید آلات کے ذریعے قتل کے ملزم کا سراغ لگایا جاتا ہے۔اصل قاتل یا ملزم قاتل میں فرق بھی قرآئن کے ذریعے کیا جاتا ہے۔دوران تفتیش پولیس ملزم کے چہرے کے تاثرات گفتگو کے انداز اور بیان میں موجود تضادات کے قرائن کے سہارے ہی اس کے گناہ گار یا بے گناہ ہونے کے نتیجے تک پہنچتی ہے۔اسلامی فقہ میں قتل ثابت کرنے کے لیے مقتول کے ورثاء سے قسم لی جائے گی جب قرینہ غیر قطعی ہو قسامت کی تعریف متہم پر الزام قتل ثابت کرنے کے لیے اولیاء مقتول کا قسمیں کھانا یا خود متہم کا اپنے اوپر سے الزام قتل رفع کرنے کے لیے قسم کھانا) کا جاہلیت میں اعتبار کیا جاتا تھا۔اسلام نے بھی قسامت پر اعتبار کیا ہے۔صحابہ سے اس کا اقرار و اعتبار منقول اور ثابت ہے۔[16]

الاثبات نظریة فی الفقه الجنائی الاسلامی میں بیان کیا گیا ہے

الأصل في القتل انه يثبت بالشهادة او بالاقرار فهل يثبت بالقرينة لا يثبت القتل الا بهذ الادلة و انما يجوزان تكون القرينة لوث (علامت) يجوزلولی القتيل ان يطلب القسامة۔ [17]

قتل میں اصل یہ ہے کہ شہادت اقرار کے ذریعے ثابت کیا جائے پس کیا یہ قرینہ سے ثابت ہوتا ہے؟اس سے قتل ثابت نہیں ہوتا۔جب تک اس پر دلیل قائم نہ کی جائے قرینہ اور علامت کے ذریعے جائز ہے۔مقتول کے ولی کے لیے قسم طلب کرنا جائز ہے۔

خون کے حق کو محفوظ رکھنے کے لیے قسامت کو جائز قرار دیا گیا ہے۔شریعت حفظ خون پر شدید حریص ہے اور اس کو ضائع نہیں جانے دیتی۔امام ابو حنیفہ کے نزدیک قسامت اس وقت ممکن ہے جب مقتول کا جسم محلہ میں پایا جائے اور قاتل مجہول ہو تو یہ قتل پر دلیل نہیں بلکہ اہل محلہ کی دلیل ہو گی کہ وہ قسم اٹھائیں کہ وہ اس کے قتل سے بری ہیں۔اس صورت میں ان سے قصاص ٹل جائے گا کیونکہ مقتول ان کے درمیان پایا گیا۔

---

[16] ابن قیم، الجوزیہ، محمد بن ابی بکر، اعلام الموقعین عن رب العالمین، (مصر ۱۹۹۸م)ج ۳، ص ۹

Ibn e Qayam, Al Jozia, Muḥammad bin Abī Bakar, A'lām al Moq'een a'n Rab al A'lmeen, (Miṣar 1998), V:3, P:9

[17] بھنسی، احمد فتحی، الدکتور، نظریۃ الاثبات فی الفقہ الجنائی الاسلامی، (مکتبہ الوائی العربی ۱۹۶۷م) ص ۲۰۱

Bhansī, Aḥmad Fatḥī, Doctor, Nazria al Athbāt fī al Fiqa al Janāī al Islāmī,(Maktaba al Wāī al A'rAbī 1967),P:201

قتل پر شہادت قبول کرنا اور قاتل پر قصاص کا حکم:

جب گواہوں نے کہہ دیا کہ مجرم نے مقتول کو جان بوجھ کر قتل کیا ہے باوجود اس کے کہ جان بوجھ کر کوئی عمل کرنا یہ اللہ کے بغیر کوئی نہیں جانتا کہ نیت کیا ہے اس کے باوجود ان کی شہادت قرآئن ظاہرہ پر اعتماد کرتے ہوئے قبول کی جائے گی جیسا کہ آلہ قتل کا اکثر استعمال اور مجرم کا مقتول کے ساتھ ساتھ چلنا اس سے قتل کرنے پر قطعی اور تائیدی قرآئن ہیں۔ مجلۃ الاحکام العدلیہ کی دفعہ ۱۷۴۱ کے مطابق مقتول کے گھر کے باہر مضطرب پریشان حال جس آدمی کے ہاتھ میں خون آلود چھری ہو پر بغیر کسی دوسری دلیل کے قتل ثابت ہو جائے گا اور شک و وہم میں مبتلا نہیں ہوا جائے گا۔[18]

زنا میں قرآئن کا اعتبار:

نظریة الاثبات فی الفقه الجنائی الاسلامی میں ہے۔ فقہاء نے زنا میں قرآئن پر اعتبار کرتے ہوئے حد جاری کی ہے۔ حمل کا ظاہر ہونا بغیر نکاح کے زنا پر قرینہ ہے۔[19]

جب مقذوف کے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو قاذف سے قسم لے کر قذف ثابت ہو جائے گا اگر قاذف قسم سے انکار کرے تو پھر قاذف پر قذف ثابت ہو جائے گا کیونکہ قاذف کا انکار دلیل نہ ہونے پر قرینہ ہے۔ جب قاذف کے پاس گواہ نہ ہو تو اس سے مقذوف قسم لے گا اگر مقذوف نے قسم سے انکار کیا تو اس کا یہ انکار قذف کی صحت کے لیے کافی ہوگا کیونکہ انکار قرینہ ہے اور قاذف سے حد کا فیصلہ ختم کر دیا جائے گا۔

علامہ علاؤالدین الکاسا بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع میں بیان کرتے ہیں:

ہماری رائے میں اگر کوئی نابالغ یا پاگل مرد کسی اجنبی عورت سے مباشرت کرے تو اس مرد پر حد واجب نہ ہوگی۔ کیونکہ اس کے فعل پر حرام کی اصطلاح صادق نہیں آتی اور نہ ہی اس کی یہ مباشرت زنا ہے۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ امام محمد اور امام ابویوسف کے نزدیک وہ عورت بھی مستوجب حد نہیں خواہ وہ اس فعل پر رضامند ہوگئی البتہ امام زفر اور امام شافعی کی رائے کے مطابق اس پر حد واجب ہوگی۔ اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ اگر کوئی عاقل اور بالغ

---

[18] الخوارزمی، ابوالفتح، ناصر بن السید بن علی، ورفقاء مجلۃ الاحکام العدلیہ، (دمشق ۱۳۸۰) مادہ ۱۷۳، ص ۳۵۳

Al Khawārzamī, Abu al Fataḥ, Nāṣir bin al Sayed bin Alī,wa Rofaqā Mujallah al Aḥkām al A'dlia,(Dimashaq 1380),Mada 173, P:353

[19] بھنسی، احمد فتحی، نظریۃ الاثبات فی الفقہ الجنائی الاسلامی، ص ۱۹۶

Bhansī, Aḥmad Fatḥī, Nazria al Athbāt fī al Fiqa al Janāī al Islāmī, P:196

مرد کسی نابالغ یا پاگل عورت سے بد فعلی کا مرتکب ہو تو اس پر حد واجب ہو گی مگر اس نابالغ یا پاگل عورت پر حد نہ ہو گی نابالغ اور پاگل کا فعل زنا نہیں ہوتا۔[20]

نابالغ اور پاگل ہونا زنا کے احکام لاگو نہ ہونے پر قرینہ ہے اگر کوئی شخص اپنی منکوحہ کے ساتھ بحالت حیض انفاس یا روزہ مباشرت کرلے یا کسی محرم عورت کے ساتھ بعد نکاح مباشرت کرلے یا اپنی زوجہ سے ظہار یا ایلاء کے بعد مباشرت کرلے تو اگرچہ مذکورہ ہر صورت میں فعل مباشرت حرام ہے مگر نکاح یا ملکیت کے قائم ہونے کی وجہ سے اسے زنا قرار نہیں دیا جا سکتا۔ لہذا ایسی مباشرت کی بناء پر زنا کی حد واجب نہ ہو گی۔[21]

اس لیے کہ نکاح یا ملکیت کا ہونا زنا نہ ہونے پر قرینہ ہے۔ اسی طرح مشترکہ باندی کے ساتھ مباشرت اگرچہ فعل حرام ہے اور مرتکب کو اس کی حرمت کا علم بھی ہونا چاہیے مگر اس پر حد واجب نہ ہو گی کیونکہ یہ حمل اشتباہ ہے۔ ایسے ہی اگر کوئی شخص کسی مجوسی عورت یا مرتد عورت یا مکاتبہ یا بذریعہ صناعت یا بوجہ مصاہرت محرم عورت سے یا ایسی مشترکہ باندیوں میں سے کسی ایک کے ساتھ جن پر مالکانہ حقوق قائم ہونا ابھی باقی ہے کوئی شخص مباشرت کرلے تو اگرچہ مذکورہ بالا ہر مباشرت فعل حرام ہے اور اس فعل کیحرمت سے مرتکب وقت ارتکاب خواہ آگاہ بھی ہو مگر ایسی کسی مباشرت سے زنا کی حد واجب نہیں ہوتی۔[22]

بعض فقہاء نے زنا میں حد کو قرآئن سے ثابت نہ کرنے میں نبی کریم ﷺ کے اس قول کو بنیاد بنایا ہے۔

سنن ابن ماجہ میں قاسم بن محمد سے روایت کیا گیا ہے:

لوكنت راجما احدا بغيربينة لرجمت فلانة فقد ظهر منها الريبة في منطقها وهياتها و من يدخل عليها[23]

[20] الکاسانی، ابو بکر بن مسعود، بدائع الصنائع، ج۷، ص ۱۰۲

Al Kāsānī, Abu Bakar bin Mas'ood, Bidā'a al ṣanā'a, V:7, P:102

[21] ایضا، ص ۱۰۵

Ibid, P:105

[22] ایضا

Ibid

[23] ابن ماجہ، محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، (بیروت، ۱۳۲۰ھ)، ج ۲ ص ۵۵۸

Ibn e Māja, Muḥammad bin Yazeed, Sunan Ibn e Māja,(Beriut,1320),V:2, P:558

اگر میں کسی کو بغیر گواہوں کے رجم کرتا تو اس عورت کو رجم کرتا جس کی وضع قطع سے شک اور تہمت کی سچائی بالکل نمایاں ہو رہی تھی۔ سید محمد متین ہاشمی اسلامی حدود میں بیان کرتے ہیں: امام ابو حنیفہ کے نزدیک زنا میں چار مرتبہ اقرار ضروری ہے اور یہ اقرار قاضی کی مجلس میں قابل اعتبار ہوگا۔ ذاتی مجلس میں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔[24]

زنا میں قرائن کے ذریعے خلفائے راشدین کے احکامات کا جاری کرنا سب سے بڑی دلیل ہے۔

سرقہ میں قرائن کا اعتبار:

چوری میں چور کے پاس سے مال مسروقہ کی برآمدگی اس کے چوری کرنے پر مضبوط قرینہ ہے۔ اس لیے کہ گواہی اور اقرار دونوں وسائل اثبات میں صدق و کذب کا احتمال موجود ہے جبکہ چور کے پاس سے مال مسروقہ برآمد ہونا اس کے چور ہونے پر مضبوط دلیل و حجت اور قرینہ ہے۔ لہذا اس بناء پر چور پر حد جاری کی جائے گی[25] چوری میں قسم سے انکار کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ امام احمد امام مالک امام شافعی کے نزدیک کسی قطعی چیز کو ثابت کرنے کے لیے قسم کا انکار حجت نہیں بن سکتا لیکن مال کے ثبوت پر حجت بن سکتا ہے کیونکہ حد یا قطعی حد مدعا علیہ پر قسم سے انکار کو ثابت نہیں کرتی بلکہ قطعیت کو ثابت کرنے کے لیے قسم نہیں اٹھاتا کیونکہ قسم سے انکار یا تو بذل ہوگا یا اس میں اقرار بالشبہ ہوگا اور حد اس سے ثابت نہیں ہوتی اگر کسی نے چوری کا اقرار کیا پھر اقرار سے رجوع کیا تو اس پر قطعی فیصلہ نہیں کیا جائے گا لیکن مال قسم سے دست بردار ہونے میں آدمی کے حق کو ثابت کرتا ہے اور مال شبہکے ساتھ ثابت ہوتا ہے کیونکہ سرقہ پر دو چیزیں مرتب ہوتی ہیں۔ قطعیت اور مال۔ دلائل سے مال کا ثبوت ملتا ہے قطعیت کا نہیں[26]

---

[24] ھاشمی، سید محمد متین، اسلامی جدود، (مکہ بکس لاہور، ۱۹۸۱م)، ص ۶۸

Hāshmī, Sayed Muḥammad Mateen, Islāmī Jadood, (Makkah books Lahore,1981),P:68

[25] بھنسی، احمد فتحی، نظریۃ الاثبات فی الفقہ الجنائی الاسلامی، ص ۱۹۹

Bhansī, Aḥmad Fatḥī, Nazria al Athbāt fī al Fiqa al Janaī al Islāmī,P:199

[26] السرخسی، ابی بکر، محمد بن احمد، المبسوط، (لبنان، دار الکتاب العلمیہ س ن)، ج:۹، ص:۱۰۵

Al Sarkhasī, Abī Bakar, Muḥammad bin Aḥmad, Al Mabsooṭ,(Labnān, Dār ul Kutab al I'lmia, N Y),V:9,P:105

شرح العنایہ علی الھدایہ میں ہے: محمد بن حسن نے کہا قاضی مدعی سے پوچھے گا تو کیا چاہتا ہے؟ اگر اس نے کہا قطعیت کو چاہتا ہوں تو اس سے کہا جائے گا حدود میں قسمیں قابل اعتبار نہیں ہیں اگر اس نے کہا میں مال چاہتا ہوں تو اسے کہا جائے گا۔ چوری کا دعوی چھوڑ دے اور مال کا دعوی کرے۔[27]

نہایۃ المحتاج الی شرح المنہاج میں بیان کیا گیا ہے: قسم سے انکار مال کے ثبوت کا قرینہ ہے۔ امام شافعی کی رائے میں حد صرف قسم سے انکار پر ثابت نہیں ہوتی بلکہ مدعی پر قسم پیش کی جائے گی۔ اگر قسم اٹھالی تو مال اور قطعیت دونوں ثابت ہوتے ہیں۔[28]

مدعاعلیہ کا قسم سے انکار کرنا مال اور قطعیت ثابت کرنے پر قرینہ ہے۔ چور سے مسروقہ مال کی برآمدگی بینہ اور اقرار سے زیادہ مضبوط ہے۔

فتح القدیر میں بیان کیا گیا ہے: مسروق کا حرز سے اختراج اقرار سے ہو یا احوال کے قرائن سے جیسے کہ حرز سے نصاب کا نکال لینا دو مرتبہ جبکہ ایک مرتبہ بھی ممکن نہ ہو تو قرینہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ چوری کے نصاب کا ارادہ رکھتا تھا اس لیے اس نے دو مرتبہ نکالنے کی کوشش کی۔[29]

روضہ القضاۃ طریق النجاۃ میں بیان کیا گیا ہے:

فقالوا لا یقطع السارق فی اقل من عشرۃ دراھم او ما قیمتہ ذلک والمعتبر بالدراھم [30]

دس دراہم سے کم چوری کرنے کی صورت میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا

شراب میں قرائن کا اعتبار:

---

[27] البابرتی، محمد بن محمود، شرح العنایہ علی الھدایہ، (بیروت، س ن)، ج:٦، ص:١٦٧

Al Bābartī, Muḥammad bin Maḥmood, Sharah al A'nāya A'la al Hadāya,(Beirūt, N Y),V:6, P:167

[28] الرملی، شمس الدین، محمد بن شھاب الدین، نھایۃ المحتاج الی شرح المنھاج، (المطبعۃ البھیۃ المصریۃ)، ج۷، ص۱۵۸

Al Ramlī, Shams ul Deen, Muḥammad bin Shihāb ul Deen, Nahāya al Muḥtāj ila Sharah al Minhāj,(Al Maṭba't al Bahyat al Misria), v:7, P:158

[29] ابن ہمام، کمال الدین، محمد بن عبدالواحد، فتح القدیر، مصطفی محمد مصر (بدون تاریخ طبع) ج۴، ص۱۸

Ibn e Hamām, Kamāl ul Deen, Muḥammad bin Abdulwāḥid, Fataḥ al Qadeer,Muṣtfa Muḥammad,(Miṣar N Y), V:4, P:18

[30] الناھی، صلاح الدین، الدکتور، روضۃ القضاۃ وطریق النجاۃ، (مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت) ج۲، ص، ۱۳۱۱

Al Nāhī, Ṣalāh ul Deen , Dr, Raudat al Qatha wa Tareeq ul Nijāt, (Muasisa al Risāla, Beirūt), V:2, P:1311

شراب پینے کی حد جاری کرنے میں قرائن پر اعتبار کیا جاتا ہے۔ شراب کی بو میں جو احتمال ہے وہ استدلال سے پہلے ہے اور تمیز استدلال کے بعد ہے یعنی استدلال کے بعد جب اس میں فرق کیا تو احتمال نہ رہا۔ فتح القدیر میں بیان کیا گیا ہے:

بان الاحتمال فی نفس الروائح قبل الاستدلال والتمیز بعد الاستدلال علی وجه الاستقصاء[31]

سر چکرانا لڑکھڑاتے ہوئے چلنا لایعنی باتوں کا کہنا یہ سب شراب پینے پر قرائن ہیں جبکہ جس شخص میں یہ علامات پائی جائیں وہ نارمل زندگی میں ٹھیک ٹھاک ہو۔ سنن ابوداؤد میں بیان کیا گیا ہے:

حضرت عثمان بن عفان کے پاس ولید کو لایا گیا دو اشخاص گواہ بن گئے۔ ایک نے کہا کہ ولید شراب کے نشہ میں تھا دوسرے نے گواہی دی کہ ولید چکرا رہا تھا۔ حضرت عثمان نے کہا کہ شراب کے بغیر چکرنا نہیں ہوتا۔ حضرت علی نے حضرت حسن سے اسے کوڑے مارنے کے لئے کہا حضرت حسن نے کہا اے عبداللہ بن جعفر اسے کوڑے لگاؤ اور حضرت علی گنتے رہے۔ چالیس جبکہ حضرت عمر نے اس کوڑے لگوائے تھے۔ یہ سب سنتیں ہیں۔[32]

السنن الکبری میں بیان کیا گیا ہے: حسن بصری روایت کرتے ہیں کہ جارود نے قدامہ پر شراب نوشی کی گواہی دی۔ حضرت عمر نے قدامہ کو بحرین کا امیر بنا دیا جارود نے فرمایا کہ تیرے ساتھ اور گواہ کون ہے۔ انہوں نے کہا علقمہ خصی تو اس کو بلایا گیا۔ حضرت عمرؓ نے اس سے پوچھا کہ کس چیز کی گواہی دیتے ہو؟ علقمہ نے پوچھا کیا خصی کی شہادت جائز ہے تو حضرت عمر نے فرمایا مسلمان ہونے کے بعد خصی کی شہادت مقبول ہے۔ علقمہ نے کہا میں نے اسے تھال میں شراب کی قے کرتے دیکھا۔ حضرت عمر نے کہا قسم ہے اس کا قے کرنا شراب سے تھا پھر حکم دیا کہ اس کو کوڑے لگائے جائیں۔ قے حد واجب کرنے پر قرینہ ہے۔ شراب کی قے کرنا یا نشے میں متوالا ہونا شراب نوشی کے بعد یہی ہوتا ہے۔ قے کرنا شراب نوشی پر بینہ اور اقرار جیسی دلیل ہے۔[33]

---

[31] ابن ہمام، محمد بن عبدالواحد، فتح القدیر، ج: ۲، ص ۱۸۴

Ibn e Hamām, Muḥammad bin Abdulwāḥid, Fataḥ al Qadeer, V:2, P:184

[32] السجستانی، ابوداؤد، سلیمان بن الاشعث، سنن ابی داود ج ۲، ص ۴۷۳

Al Sajastānī, Abu Dāwood, Suleman bin al Ashath, Sunan Abī Dāwood,V:2,P:473

[33] البیھقی، ابي بكر احمد بن الحسيني، السنن الکبری، (مطعبة دائرة المعارف العثمانیه، حیدر آباد، ۱۳۵۳ھ)، ج ۸، ص ۲۱۰

Al Baihqī, Abī Bakar Aḥmad bin al Ḥussainī, Al Sunan al Kubra, (Maṭba't Dāirat ul Mu'ārif al U'thmānia, Ḥadarabād,1353), V:8, P:210

تبصرۃ الحکام میں بیان کیا گیا ہے: فقہاء حد خمر کے اثبات میں شراب کی بو یا قے کے قرینے کی بناء پر اعتماد کرتے ہیں۔اس لیے کہ بو شراب پینے پر قرینہ ہے اور شراب کی قے اس کے پینے پر دلیل ہے۔ جیسا کہ حضرت عثمان نے فرمایا شراب کی قے نہیں ہو سکتی مگر اسے پینے کے بعد یہ حضرت عمر فاروق حضرت عثمان اور حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے۔[34]

اسلامی قانون فوجداری میں بیان کیا گیا ہے:

شراب خوری دو مردوں کی گواہی اور ایک بار کے اقرار سے ثابت ہوتی ہے اور اس میں مردوں کے ساتھ عورتوں کی گواہی مقبول نہیں ہے۔امام ابو یوسف کے نزدیک دو بار اقرار ہونا چاہیے۔ شراب انگوری پینے سے اگر نشہ نہ آئے تب بھی حد واجب ہو گی ۔[35]

شراب میں بھی خلفائے راشدین سے قرائن کی بناء پر حد جاری کرنا ثابت ہے۔

تعزیر و قصاص میں قرائن

قرائن کی بناء پر تعزیر دینے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور فقہاء سب متفق ہیں۔ جمہور فقہاء قصاص میں قسامت میں مشروعیت قرآئن پر متفق ہیں۔ابن فرحون کا کہنا ہے کہ قصاص کے واجب ہونے میں قرائن پر عمل جائز ہے اور یہی دلیل پیش کی ہے جو مجلۃ الاحکام العدلیہ میں بیان کی گئی ہے۔ابن عابدین اور ابن غرس نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔[36]

حنفی فقہاء خون نے مقدمات میں (نکول) پر عمل کرتے ہیں لیکن آپس میں اختلاف رائے موجود ہے۔امام ابو حنیفہ نکول کے ساتھ قصاص کو ثابت کرتے ہیں۔ان مقدمات میں جو جان کے علاوہ ہوں جبکہ صاحبین جان اور اس کے علاوہ مقدمات میں ارش (قتل کے علاوہ جسم کو دوسری ضربات وضرر پہنچانے کے عوضانے کو ارش کہا جاتا ہے) کو واجب

---

[34] ابن فرحون، ابراھیم بن علی بن فرحون، تبصرۃ الحکام في اصول الاقضیۃ و مناھج الاحکام، (القاھرہ ۱۹۵۸م)، ج۱، ص ۲۰۵

Ibn e Farḥoon , Ibrahīm bin Alī bin Farḥoon, Tabṣra al Aḥukām fī uṣool al Aqdia wa Manāhij al Aḥkām, (Al Qāhira 1958), V:1, P:205

[35] عبدالسلام، اسلامی قانون فوجداری، لاہور (س۔ن) ص ۱۳۵

Abdul Salām, Islāmī Qanoon Fojdārī, (Lahore, N Y), P:135

[36] ابن فرحون، ابراھیم بن علی بن فرحون، تبصرۃ الحکام في اصول الاقضیۃ و مناھج الاحکام، ج۱، ص ۲۰۵

Ibn e Farḥoon , Ibrāhīm bin Alī bin Farḥoon, Tabṣra al Aḥkām fī uṣool al Aqdia wa Manāhij al Aḥkām, V:1, P:205

کرتے ہیں قضا بالنکول قضاء بالقرائن سے عبارت ہے۔اس لیے یا تو تا کل انکار کرے گا یا اقرار۔اگر ایسا نہ ہوتا تو قسم کا پیش کیا جانا واجب ہوتا اقامت کے طور پر اور جان کو ضرر سے دور کرنے کے لیے تو یہ ظاہر حال کا لینا ہوا۔اور اصلی برات پر اس کی ترجیح ہوئی۔

علامہ ابو بکر علاؤالدین الکاسا بدائع الصنائع میں بیان کرتے ہیں: اگر کوئی شخص مقتول پایا جائے۔اس کے منہ یا ناک یاد بر پیشاب والی جگہ سے خون نکل رہا ہو تو اس پر کوئی چیز واجب نہ ہوگی کیونکہ ان جگہوں سے خون عام طور پر بغیر کسی ضرب کے قے نکسیر یا کسی اور بیماری کی وجہ سے نکل آتا ہے۔لہذا وہ مقتول نہیں کہلائے گا البتہ اگر خون اس کی آنکھ سے یا کان سے نکل رہا ہو تو اس میں قسامہ اور خون بہا واجب ہوگا کیونکہ ان جگہوں سے عام طور پر خون نہیں نکلتا لہذا خون کا نکلنا کسی نئی ضرب کی طرف منسوب ہوگا۔اس لیے اگر کوئی مقتول ایسی حالت میں میدان کارزار میں پایا جائے تو وہ شہید ہوتا ہے جبکہ اول الذکر صورت میں شہید نہیں ہوتا۔[37]

مقتول کی لاش پر موجود علامات وقرآئن اس کے شہید ہونے یا طبعی موت مرنے کے بارے میں راہنمائی کرتے اگر کسی محلے میں اس کا گزر ہو۔اس پر تلوار یا خنجر سے وار ہو جس سے وہ زخمی ہو جائے اور اسے یہ معلوم نہ ہو کہ کس طرف سے اس پر وار ہوا تھا۔اس کو اٹھا کر اس کے گھر والوں کے ہاں لایا جائے اور پھر اس زخم کی وجہ سے اس کی موت واقع ہو جائے۔اس صورت میں اگر وہ صاحب فراش رہا تو قبیلے کے عاقلہ معززین (برادری (باپ کی طرف سے رشتہ دار لوگ) پر قسامہ اور دیت واجب ہوں گے اور اگر وہ صاحب فراش نہ ہوا تو طرفین کے قول کے مطابق نہ ہی دیت جبکہ امام ابو یوسف کا قول ہے کہ اس پر دونوں ہی صورتوں میں نہ تو قسامہ واجب ہوگا اور نہ ہی ضمان اور یہی ابن ابی لیلی کا قول ہے۔امام ابو یوسف نے قول کی توجیہ یہ کی ہے کہ اگر زخمی محلے میں نہ مرا ہو تو محلے میں جو جرم واقع ہوا ہے وہ جان سے کم تر ہے اور جان سے کم تر میں قسامہ واجب نہیں ہوتا جیسے کہ کوئی محلے میں دست بریدہ پایا جائے۔اس لیے اگر وہ صاحب فراش نہ ہو تو اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہوگی۔ایسے ہی یہ مسئلہ ہوگا۔امام ابو حنیفہ کے قول کی توجیہ یہ ہے کہ اگر وہ زخم سے اچھا نہ ہوا ہو اور وہ صاحب فراش ہی رہا ہو اور اسی حالت میں اس کی موت واقع ہو گئی تو اس سے یہ امر معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کی موت زخم سے واقع ہوئی ہے۔اسی طرح یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ زخم اپنے وجود کے وقت سے ہی قتل واقع ہونے کی وجہ بنا۔لہذا وہ اس وقت سے مقتول ہے۔گویا کہ اس کی موت اس محلے میں واقع ہے

---

[37] الکاسانی، ابو بکر بن مسعود، بدائع الصنائع، ج: ۷، ص ۲۶۳
Al Kāsānī, Abu Bakar bin Mas'ood, Bidāa' al ṣanāa', V:7, P:663

بخلاف اس کے کہ جب وہ صاحب فراش نہ ہوا تو یہ بات معلوم نہیں ہوئی کہ موت زخم سے واقع ہوئی ہے۔ لہذا وہ محلے میں مقتول نہیں پایا گیا اس لیے اس کا حکم ثابت نہیں ہو گا۔ اس سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ اگر مقتول کے جسم کا بیشتر حصہ پایا جائے تو اس میں قسامت اور دیت واجب ہوں گے۔ [38]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

"فان احلفواغر مو الدية وان نكلوا فانهم يحبسون حتى يحلفوا وان ادعى القتل على بعض اهل المحلة لا باعيانهم فكذا الجواب تجب القسامة والدية على اهل المحلة وكذا الجواب اذا ادعى على بعض اهل المحلة باعيانهم استحسانا "[39]

"پس اگر انہوں نے قسم کھائی تو وہ دیت کے ضامن ہو گئے اور اگر انہوں نے انکار کیا تو وہ قید میں رکھے جائیں گے حتی کہ وہ قسم کھائیں۔ اگر مدعی نے اہل محلہ کے بعض غیر معین اشخاص پر قتل کا دعوی کیا تو بھی یہی حکم ہے کہ قسامت اور دیت اہل محلہ پر واجب ہو گی اور اگر مدعی نے اس محلہ کے بعض معین اشخاص پر دعوی کیا تو بھی از روئے استحسان یہی حکم ہے "مقتول اور مردہ میں قرائن کے ذریعے تخصیص کی جائے گی:

"والقتيل من به اثر القتل والميت من لا يكون به اثر القتل وان وجدميت لا اثر به فلاقسامة ولادية والاثران يكون به جراحة او اثر ضرب او خنق او خروج الدم من عينه او اذنه وان خرج الدم من الفم ان علا من الجوف كان قتيلا وان نزل من الراس فلا و ان خرج من دبره او ذكره فليس بقتيل۔[40]

وان وجدت البهيمة والدابة مقتولة فلاشئى فيها ولا يدخل السكان في القسامة مع الملاك عند ابي حنيفة و محمد [41]

قتیل سے مراد وہ مردہ شخص ہے جس میں قتل کا اثر موجود ہو اور میت سے مراد وہ مردہ شخص ہے جس میں قتل کا اثر موجود نہ ہو۔ اگر مردہ پایا گیا جس میں قتل کا اثر موجود نہیں ہے تو نہ قسامت لازم ہو گی اور نہ دیت لازم ہو گی قتل کا اثر یہ ہے کہ اس مردہ شخص پر زخم ہو یا ضرب کا نشان ہو یا گلا گھونٹے کا نشان ہو یا اس کی آنکھ سے یا اس کے کان

---

[38] ایضا، ص664

Ibid,P:664

[39] عالمگیری، محی الدین اورنگزیب، فتاوی عالمگیریہ، (دھلی ۱۳۸۰ھ)، ج۲۵، ص۲۹۶

A’lamgirī, Muḥyyuldeen Orangzaib, Fatāwa A’lamgirīa, (Dehlī 1380), V:25, P:296

[40] ایضاً، ص۲۹۸

Ibid, P:298

سے خون نکلا ہو۔ اور اگر خون منہ سے نکلا ہو تو اگر وہ خون پیٹ سے چڑھ کر نکلا ہو تو وہ قتیل ہے اور اگر وہ خون سر سے اترا ہو تو وہ شخص قتیل نہیں ہے اور اگر اس کی دبر سے یا اس کے ذکر سے خون نکلا ہو تو وہ قتیل نہیں ہے۔ اگر چوپایہ یا سواری کا جانور مقتول پایا گیا تو اس میں (قسامت یا دیت) کوئی شے لازم نہ ہو گی۔ قسامت میں مالکوں کے ساتھ سکان داخل نہ ہوں گے۔ امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک یہ حکم ہے"امام ابوالحسن احمد بن محمد القدوری بیان کرتے ہیں:

"واذا وجد القتيل في محلة لا يعلم من قتله استحلف خمسون رجلا منهم يتخير هم الولى بالله ماقتلنا وما علمنا له قاتلافاذا حلفواقضى على اهل المحلة بالديت ولا يستحلف الولى ولا يقضى عليه بالجناية [41]

جس کسی محلہ میں مقتول پایا گیا اور کس نے قتل کیا معلوم نہیں ہے تو پچاس آدمیوں سے جن کو ولی پسند کرے قسم لی جائے گی۔ اللہ کی قسم نہ ہم نے اس کو قتل کیا ہے اور نہ ہم اس کے قاتل کو جانتے ہیں جب وہ قسم کھالیں تو اہل محلہ پر دیت کا فیصلہ ہو جائے گا۔ ولی سے نہ تو قسم لی جائے گی اور نہ اس پر جنایت کا حکم کیا جائے گا۔" امام برھان الدین المرغینانی ہدایہ کتاب الجنایات میں تقابل مذاہب کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

امام شافعی نے فرمایا اگر کوئی ایسالوث یعنی قرینہ موجود ہو جس سے مدعی کے دعوے کی صداقت معلوم ہو تو اولیائے مقتول کو پچاس قسمیں دلائی جائیں گی اور ان کے حق میں مدعاعلیہ پر وجوب دیت کا فیصلہ کیا جائے گا۔ دعوی قتل عمد کا ہو یا قتل خطا کا۔ امام مالک کا ارشاد ہے کہ اگر قتل عمد کا دعوی ہو تو قصاص کا فیصلہ کیا جائے گا۔ امام شافعی کا بھی ایک قول اسی طرح ہے۔ امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک لوث کی تفسیر یہ ہے کہ کوئی ایسی علامت یا قرینہ موجود ہو جو ایک معین شخص کے ارتکاب قتل پر دلالت کرتی ہو مثلا اس کی تلوار یا کپڑے خون آلود ہوں یا ظاہر حال مدعی کی تائید کرتا ہو۔ مثلا قاتل و مقتول میں شدید عداوت ہو جس کا علم سب کو ہے یا کوئی عادل شخص اس قتل کا شاہد ہو یا غیر عادل لوگوں کی ایک جماعت ہو جو شہادت دے کہ اہل محلہ نے اسے قتل کیا ہے اگر ظاہر سال مدعی کی تائید نہ کرتا ہو تو پھر امام شافعی کا مذہب ہمارے مذہب کی طرح ہے۔ البتہ اتنا فرق ضرور ہے کہ ان کے نزدیک قسم میں تکرار نہیں بلکہ

[41] القدوری، ابوالحسین، احمد بن محمد، المختصر القدوری، (مکتبہ امدادیہ ملتان، پاکستان، بدون تاریخ لطبع)، ص ۱۸۴
Al Qadoorī, Abu al Ḥussain, Aḥmad bin Muḥammad, Al Mukhtṣar al Qadoorī, Maktaba Imdādia Multān, Pakistān, N Y),P:184

قسم ولی کی طرف پھیری جائے گی۔ اگر اہل محلہ نے قسم کھائی تو ان پر دیت واجب نہ ہو گی۔ قسم کی ابتداء ولی سے کرنے کی دلیل نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے۔[42]

موطا امام مالک میں ہے:

فقال لهم رسول الله اتحلفون بالله خمسين يمينأو تستحقون دم صاحبكم او قاتلكم [43]

نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم پچاس قسمیں کھاتے ہو اللہ کی۔ اگر کھاؤ گے تو خون کا استحقاق تمہیں حاصل ہو گا۔ امام مرغینانی بیان کرتے ہیں، قسم اس شخص پر واجب ہوتی ہے جس کی تائید ظاہر حال کر رہا ہو۔ اسی بناء پر قابض پر قسم واجب ہوا کرتی ہے۔ ظاہر حال جب ولی کی تائید کر رہا ہو تو اسی سے قسم کی ابتداء کی جائے گی [44]

قسامت کا دار و مدار قرائن پر ہوتا ہے۔ یہ شبہ سے واجب ہوتی ہے جمہور اس پر متفق ہیں اور یہ وہ شبہ ہوتا ہے جو حکام کے ظن پر غالب ہوتا ہے کہ مدعی اس شبہ کو قائم کرنے کا حق رکھتا ہے۔ قسامت اسوقت شروع ہوتی ہے جب مقتول پایا جائے۔ قاتل معلوم نہ ہوں اور بینہ قائم نہ کی جا سکے۔

اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں ارشاد فرماتا ہے:

ومن قتل مظلوماً فقد جلعنا لوليه سلطاناً فلا يسرف في القتل [45]

اور ناحق مارا جائے تو بے شک ہم نے اس کے وارث کو قابو دیا ہے تو وہ قتل میں حد سے نہ بڑھے'' یہ دلیل جو ولی کے لیے بیان ہوئی نبی کریم ﷺ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ قسامت ہے لوث قوی قرینہ ہے جو مدعیوں کی جانب راجع ہے۔ مدعیوں کی طرف مضبوطی کی وجہ سے قسم شروع ہوئی ہے۔ قسامت کا موجب سبب لوث کا پایا جانا ہے۔ اس طرف جمہور گئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لفظی اور اصلاحی اختلاف ہے ورنہ لوث قتل پر

---

[42] المرغینانی' برہان الدین علی بن ابی بکر، الہدایہ (مطبع خیریہ، مصر ۱۳۲۷)، ص ۲۶۱

Al Murghinānī, Burhān al Deen Alī bin Abī Bakar, Al Hadāya,(Maṭb'a Khairia, Miṣar 1327), P:261

[43] مالک بن انس، موطا امام مالک، ص ۵۹۲

Mālik bin Anas, Mooṭa Imām Mālik, P:592

[44] المرغینانی' علی بن ابی بکر، ھدایۃ، کتاب الجنایات، ص ۲۶۱

Al Murghinānī, Alī bin Abī Bakar, Hadāya, Kitāb ul Janāyāt, P:261

[45] القرآن، ۱۷:۳۳

Al Qur'ān, 17:33

قرینہ ہے قسامت سے خبر واحد کی قبولیت مستفاد ہوتی ہے جب اس پر کوئی قرینہ ہو تو اس کی تاویل اور تقویت قتل پر گواہ کی طرح ہو جائے گی اور اموال پر ایسا اولی ہے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License